OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com DOI: 10.5281/zenodo.10519299

اسلامی تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر

Islamic Civilization and Culture and Present Era

Dr. Muhammad Iqbal Khan
Teacher Govt. of Punjab Education Department Multan Pakistan
Email: iqbalmtn@yahoo.com

Dr. Hina Naz
Assistant Professor, Riphah International University Faisalabad.
Email: drhinanaz8@gmail.com, ORICD ID: 000-0002-6651-4165

Dr. Muhammad Sadiq
Principal, The Muslim Education System.
Email: qarimsadiq@gmail.com

Received on: 17-07-2023 Accepted on: 20-08-2023

Abstract
"No doubt, culture and civilization is not confined to one sector but development of culture and civilization refers the standard of living of that society. In every age, different movements were started by the promotion specific culture. As concerned Islamic Culture it has static culture in every age. This Culture has advantage over all other cultures because its values are based on divine principles rather than man made principle which have short comings. Therefore, it is needed to promote Islamic Culture which has ability to solve the social and cultural problems of each and every society.
Keywords: Culture, Divine Principles, Movements, Promotion

اسلامی تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر یہ موضوع بدلتے ہوئے عالمی حالات اور "گلوبل ویلج" کے اس زمانہ میں بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے وہ جغرافیائی حدود جو ریاستوں کے مابین حد فاصل کا درجہ رکھتی ہیں اگرچہ قائم و دائم ہیں لیکن انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی نے ریاستوں ،معاشروں اور ثقافتوں کے مابین فاصلہ جات کو کم سے کم کر دیا ہے اس لیے آج ثقافت کی کوئی شکل آپ کو جامد نظر نہیں آتی بلکہ ہر سماج، معاشرہ ریاست میں متحرک دکھائی دیتی ہے اس صورت حال نے اہل دانش کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنی اپنی تہذیب اور ثقافت کے تحفظ کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر اس سرمایہ کو نسل نو تک منتقل کریں اور دوسری ثقافتوں کی اچھی روایات کو اپنے سماج کا حصہ بنائیں اور غلط رسومات سے نجات حاصل کریں ثقافت عمومی طور پر بولے جانے والا لفظ ہے اس کا خمیر عربی زبان سے اٹھا ہے لیکن اصطلاحی معنوں میں انسان کی طرز زندگی اور مجموعی طور پر طرز معاشرت کے طور پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے بدیشی زبان میں اس کے لیے کلچر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے اصطلاحی مفہوم میں ذہنی ترقی ،اخلاق و آداب ،تہذیب و تمدن اور قومی خصوصیات شامل ہوتی ہیں اب ہم اس کی تفصیل کی جانب بڑھتے ہیں۔

ثقافت کی تعریف:

اسلامی ثقافت کے متعلق تحریر کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ پہلے "ثقافت" لفظ کے لغوی واصطلاحی مفہوم کو جانا جائے۔اس لئے پہلے ثقافت لفظ کے لغوی واصطلاحی مفہوم کو دیکھتے ہیں۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ ثقافت عربی کا لفظ ہے اور اب اردو میں یہ لفظ کوئی پچیس تیس سال سے استعمال ہونے لگا ہے۔اب بھی اس کا استعمال عام نہیں۔ تہذیب اور تمدن کے الفاظ سے تو ہر شخص آشنا ہے لیکن ثقافت کے متعلق مجھ سے بارہا پڑھے لکھے لوگوں نے بھی سوال کیا ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔آپ سر تیج بہادر سپرو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اردو کے عاشقوں میں سے تھے اور ان کا فارسی کا ذوق بھی عام سے زیادہ بلند تھا، عثمانیہ یونیورسٹی میں جلسہء تقسیم اسناد میں خطبہ پڑھنے حیدر آباد تشریف لائے تو گھر سے انگریزی میں خطبہ لکھ کر لائے تھے جب ان سے تقاضا ہوا کہ خطبہ اردو میں پڑھنا ہوگا تو ترجمے کی زحمت سے بچنے کے لئے انہوں نے مجھ سے مدد چاہی۔میں نے کلچر کا ترجمہ ثقافت کیا تو پوچھنے لگے کہ بھائی یہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ پہلے تہذیب اور تمدن کے الفاظ استعمال ہوتے تھے،اب ثقافت کا لفظ علمی تحریروں میں استعمال ہونے لگا ہے کیوں کہ یہ لفظ تہذیب و تمدن دونوں پر حاوی ہے۔مجھ پر اعتماد کر کے انہوں نے یہ لفظ خطبے میں استعمال کیا جو ان کے وسیع مطالعہ کے باوجود ان کی نظر سے نہ گزرا تھا۔[1]

ثقافت کی تعریف مشاہیر کی نظر میں:

مولانا محمد حنیف ندوی کے نزدیک ثقافت کی اصطلاحی تعریف حسب ذیل ہے:۔

"ثقافت ایسی شعوری وحدت کو کہتے ہیں جو موجود، کارفرما اور کسی معاشرہ کی ضروریات کی متکفل ہو اور نظم و قاعدہ میں منسلک ہو۔" یہ یادر ہے کہ برطانوی مدرسہ فکر میں شعوری عمل کو نسبتاً زیادہ اہمیت حاصل ہے۔یہی نہیں بعض حضرات تو ثقافت کی تعریف میں جمالیات (Aesthetics) کو بھی ایک اہم عنصر گردانتے ہیں۔چنانچہ آرنلڈ کا کہنا ہے کہ ثقافت علم وادراک کی اس جامع کیفیت سے تعبیر ہے جو ان تمام خوبیوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہو جن سے اب تک انسان آشنا ہو چکا ہے۔ان کے نزدیک ثقافت کے معنی (Perfection) کو جاننے اور معاشرہ میں رائج کرنے کے ہیں۔[2]

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام اعلیٰ قدروں کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ تمام انسانوں کو اعلیٰ قدروں سے مزین کرنا ہی حقیقی ثقافت کا نام ہوتا ہے تا کہ دنیاوی واخروی لحاظ سے انسان اعلیٰ مقام پر مزین ہو جائے۔

ثقافت کلچر کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ زندگی کی روحانی، فکری، مذہبی اور اخلاقی قدروں کی مجسم تصویر کا نام ہے، سچائی، حسن، خیر محض، انصاف اور محبت اس کلچر کی کرنیں ہیں۔دنیا کے بڑے بڑے فلسفیوں، پیغمبروں اور عارفوں کا کہنا ہے کہ بلند قدروں کا بنیادی سرچشمہ خدا کی ذات ہے۔جو تمام چیزوں کا پیمانہ ہے۔God is the measure of all thingsاس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی کا رشتہ خدا سے ٹوٹ جائے تو پھر تخیل کی دنیا میں پرواز کرتا ہوا حقائق اور انسانیت سے تغافل بھی برت سکتا ہے۔شاید اسی وجہ سے افلاطون نے اپنی ریاست سے شاعری اور ڈرامہ کو خارج کر دیا اور ٹالسٹائی نے زوال پذیر کلچر میں فکر محض کی ترقی کو مساوات کے لئے خطرہ قرار دیا۔[3]

ڈاکٹر مظفر حسن کا ثقافت کے متعلق نقطہ نظر محمد حنیف ندوی کے نقطہ نظر سے مختلف ہے کیوں کہ ڈاکٹر مظفر حسن کے نزدیک ثقافت متحرک عمل ہے جو بغیر کسی واسطے کے ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا ہے۔

جبکہ ثقافت ایک اکتسابی عمل ہے جسے نسلاً بعد نسل منتقل کیا جاتا ہے مگر یہ جامد اصولوں یا منجمد افکار کا مجموعہ نہیں۔ حیاتیاتی رویے ثقافت کا حصہ نہیں ہوتے بلکہ اس کے اصولوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدرتی ماحول سے ہم آہنگ ہوں نیز یہ کہ ماحول اور فطرت کی تسخیر کی جائے اور اسے اپنے ہم آہنگ بنایا جائے۔ جیسے پانی ذخیرہ کر کے آب پاشی کا انتظام کیا جائے تاکہ خشک سالی کا مقابلہ کیا جا سکے۔[4]

پروفیسر بختیار حسین صدیقی کا نقطہ نظر ثقافت کے متعلق ڈاکٹر مظفر حسن سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ وہ جبلی یا خلقی ربط کی بجائے نظام کردار کو ثقافت سمجھتے ہیں۔

ثقافت کے اوصاف:

ثقافت کسی قوم کا نظام کردار ہوتی ہے۔ یہ کوئی جبلی یا خلقی چیز نہیں۔ انسان خود اسے حاصل کرتا ہے۔ خاندان تعشر (Socialization) کے عمل اور مدرسہ تعلیم کے عمل کے ذریعے اس کے حصول میں اس کی مدد کرتا ہے۔ تعلیمی ادارے قومی ثقافت کے امین ہیں۔ وہ ثقافت کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتے ہیں لیکن زمانہ حال میں کسی جماعت کا محض مقامی قوتوں کے ذریعے سے نشو و نما پانا محال ہے۔ ریل اور تار نے زمان و مکان کے پردے کو درمیان سے اُٹھا سا دیا ہے اور دنیا کی مختلف قومیں جن سے پہلے بعد المشرقین حائل تھا اب پہلو بہ پہلو بیٹھی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس ہم نشینی کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ بعض قوموں کی حالت بدل کر رہ جائے گی اور بعض قومیں بالکل ملیا میٹ ہو جائیں گی۔[5]

یہی ایک حقیقت ہے کہ تہذیب و ثقافت فکر اور عمل دونوں سے مل کر بنتی ہیں کیونکہ محض فکر بغیر عمل کے کچھ نہیں اور عمل بغیر کسی مقصد و فکر کے بے کار تصور کیا جاتا ہے۔ لہذا کسی قوم کو اور معاشرہ کو پروان چڑھانے میں فکر و عمل کا باہمی ربط و تعامل ضروری ہوتا ہے۔ ہم ثقافت میں فکر و عمل کی تمام کوششوں کو اس بناء پر داخل سمجھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تہذیب و ثقافت کا تانا بانا ان دونوں سے مل کر تیار ہوتا ہے۔ نہ تنہا فکر و تصور کی استواریاں اس لائق ہیں کہ کسی ثقافت کی تخلیق و آفرینش میں حصہ لے سکیں اور نہ عمل، روایات اور واقعات و حالات کی تاریخی تربیت اس قابل ہے کہ کہ نئی تہذیب و ثقافت کی داغ بیل ڈال سکے۔ اس مسئلہ میں اختلاف رائے قدیم سے چلا آرہا ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تہذیب و تمدن کی گہما گہمی عقل و خرد کی اعجوبہ طرازیوں کی رہین منت ہے اور یہ دبستان صرف اس وقت تک سرسبز و شاداب رہتا ہے جب کچھ غیر معمولی اور نابغہ روزگار شخصیتیں اس کی آبیاری میں مشغول رہیں۔ دوسرا گروہ افراد سے زیادہ تاریخ ساز قوتوں پر بھروسہ رکھتا ہے۔ ان کی یہ رائے ہے کہ خود فکر تصور کا ہیولٰی مادی حالات و ظروف کی اثراندازیوں سے تیار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک تہذیب و ثقافت کے حسین نقوش کو صفحہ وجود پر ابھارنے والی چیز ذہن نہیں بلکہ وہ مادی عوامل ہیں، وہ حالات و شرائط ہیں اور تاریخ کے وہ پر زور تقاضے ہیں جن سے فکر و تدبر کی حدود متعین ہوتی ہیں۔[6]

ہر تہذیب وثقافت کو دیگر تہذیبوں اور ثقافتوں کا احترام کرنا بھی ناگزیر ہوتا ہے باوجود اس عمل کے عصبیت کو موجود ہونا بھی فطری عمل ہے ۔ یہ عصبیت بھی کسی قوم کو دوسری قوموں سے مقابلے کی دوڑ میں آگے جانے پر ابھارتی ہے اس کے باوجود دوسری تہذیب وثقافت کے متعلق منفی رویہ اپنانا بھی مناسب نہیں ہے۔ یہی حقیقی تہذیب وثقافت وہی سمجھی جائے گی جو دیگر تہذیبوں سے میل جول رکھنے کو برا نہیں سمجھے گی۔

ثقافتی اور تہذیبی انفرادیت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم دنیا کی دیگر ثقافتوں تہذیبوں سے نفرت کرنے لگیں۔ یہی نفرت کا طرز عمل تو فسطائی طرز عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک منفرد تہذیب کے مالک ہو کر بھی دوسری قوموں کا احترام اور ان کی ثقافتی اور تہذیبی انفرادیتوں کا اعتراف کر سکتے ہیں۔ تہذیبیں تو ایک وسیع باغ میں پھولوں کی مثال ہیں۔ (اور یہ مثال علاقائی ثقافتوں کی ہے۔) کہ ان کی صورتیں اور خوشبوئیں تو الگ الگ ہیں مگر ان سب کے مجموعے کا نام باغ ہے ۔ تہذیب تو ہمیں تہذیبوں سے محبت کرنا سکھاتی ہیں ۔ [7]

ثقافت کے سماج پر اثرات:

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ کسی معاشرے میں اس کے شعبوں میں جتنے زیادہ منفی رجحانات اور منافقتیں پائی جائیں گی اتنی زیادہ منفی قوتیں پروان چڑھیں گی اور اس معاشرے کے اداروں میں ملازمین اور دیگر متعلقین پر بھی منفی اثرات مرتب ہوں گے عمومی مشاہدہ یہ ہے کہ منفی اثرات شخصیات پر زیادہ مرتب ہوتے ہیں جن سے ان کا دو عملی طرز زندگی نمایاں دکھائی دیتا ہے جسے آپ عرف عام میں منافقت کہہ سکتے ہیں جو کہ کسی بھی تہذیب کے لئے اچھی چیز نہیں ہے جو خصوصاً آنے والی نسلوں کے لئے منفی رویوں کو بڑھائیں گے ۔ ہر معاشرے میں ثقافتی، مذہبی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی اختلافات پائے جاتے ہیں، ہر کلاس کے درمیان بھی اختلافات پائے جاتے ہیں جس سے افراد کی دوہری شخصیت پیدا ہوتی ہے اور وہ دو عملی اور منافقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس سے مثالی اور حقیقی ثقافت سامنے آتی ہے۔ معاشرے میں ثقافتی اختلاف خاندان کی اقسام، شادی کی اقسام، شادی کا رواج، ثقافتی اقدار، مذہبی عقائد، سیاسی نظام، معاشرتی نظام، علمی نظام، زبان اور لباس وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ تضادات کی دو عملی سے تعلیمی نظام پر جو اثر پڑتا ہے وہ خاصا سنجیدہ ہے مثلاً استاد سچ بولنے کی تلقین کرتا ہے لیکن خود سچ نہیں بولتا۔ افسر رشوت سے منع کرتا ہے لیکن خود رشوت لیتا ہے۔ ان تضادات کی بناء پر تعلیمی اداروں اور تعلیمی عمل پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ [8]

جہاں تک اسلامی ثقافت اور دینوی ثقافت کا فرق ہے وہ ہمیشہ سے فرق رہا ہے اور قیامت تک دوسری ثقافتوں سے فرق رہے گا کیوں کہ دنیاوی ثقافتوں یا غیر اسلامی ثقافتوں کے احکامات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں جب کہ اسلامی ثقافت کے احکامات ہر دور میں غیر متبدل ہیں۔ تہذیب وثقافت کسی ایک شعبہ پر منحصر نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک شعبہ کی ترقی کسی قوم کے تمام شعبوں کی ترقی سمجھی جائے گی۔ البتہ جس شعبہ کا جھکاؤ دیگر تہذیبوں کی طرف ہوگا اس شعبہ کی عمارت متعلقہ تہذیب وثقافت کے شعبہ جیسی ہو گی جس کی وہ تقلید کر رہا ہو گا البتہ دوسری تہذیب وثقافت کے کسی شعبہ کی تقلید بنیادی ڈھانچہ کے بغیر ایسے ہی ہو گی جیسے ''کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا'' کے مصداق

تصور ہو گی جو کہ نامناسب چیز ہے۔

ثقافت کا ایک اور اہم شعبہ تعلیم ہے۔ یہ شعبہ سراسر مغرب سے وابستہ تھا۔ یونیورسٹیوں، تعلیمی وتدریسی مراکز، کالجوں اور سکولوں پر پوری طرح مغربی سامراجی نظام کا تسلط تھا۔ تمام درسیات کے مضامین مغرب کی کتابوں سے اخذ کئے جاتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ یونیورسٹیوں کے معلمین اور اساتذہ اکثر یورپ اور امریکہ سے بلائے جاتے تھے۔ انسانی و معاشرتی علوم بالکل بے قدر ہو کر رہ گئے تھے۔ یونیورسٹیوں کے ان علوم کے شعبوں میں جتنے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ان کا نصاب اور کتابیں صرف مغرب کی درآمدہ تھیں۔ آپ ایران ہی کی مثال لیجیئے۔ ''وزارت فرہنگ وہنر'' اور اس سے متعلقہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کا کام غیر انسانی اور غیر سماجی اقدار کو رواج دے کر ایرانی نوجوانوں، یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کو غیر اسلامی اور غیر ایرانی بنانا تھا۔ اس وقت کے حالات شاہد ہیں کہ نام نہاد ثقافتی ادارے اور آرٹ کے مراکز عملی طور پر بدکاری کے اڈے بن چکے تھے۔ سینما، ریڈیو، تھیٹر، ٹیلی ویژن، یہاں تک کہ نشریات و مطبوعات بھی مغربی ثقافت کی ترویج کے لئے وقف ہو گئے تھے۔ اور اس مقصد کے لئے زر کثیر صرف کیا جاتا تھا۔ علم و دانش کو غیر اہم اور بے قدر سمجھنے کا رواج زور پکڑ چکا تھا۔ اس کا سبب بھی یہ تھا کہ ایرانی نوجوانوں کا اسلامی علم و دانش سے بہرہ مند ہو جانا ہرگز سامراجیوں کے لئے مفید نہ تھا۔[9]

تاریخی طور پر ادب و ثقافت کی بنیاد پر کئی تحریکیں بھی شروع ہوئی ہیں جس کے علم بردار بھی ہر دور اور ہر علاقے میں مختلف رہے ہیں البتہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ایک قوم کا ہیرو بعض اوقات مخالف قوم کی نظروں میں بدترین شخص بھی تصور کیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثقافت کے علم برداروں کی عزت واحترام بھی مخصوص علاقہ و ثقافت تک محدود ہے۔ معروف محقق محمد اسحاق صفوری لکھتے ہیں کہ دنیا میں ادب، ثقافت، دین، سائنس، علم، سیاست اور وطنیت کے سلسلے کی جو بھی تحریکیں اور نعرے ہیں ان کے جذبے کی جھلک ہمارے استاد طٰہٰ حسین میں جدید عرب بیداری کی شکل میں اس کی سب سے عمدہ خوشبو موجزن ہے اس بیداری کے علمبرداروں کا وہ جامع نچوڑ ہیں۔ مصطفی کامل، محمد عبدہ، قاسم امین، سعد زغلول اور لطفی السید جیسے چند زعما، جنہوں نے انقلاب کے شعلے بھڑکائے، آزادی کے چراغ روشن کئے، ترقی کے علم لہرائے وہ ان نمایاں شخصیات میں سب سے زیادہ علم رکھنے والی شخصیت ہیں، اس لئے ان کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ایسی کاوش دراصل ایک لامحدود کو محدود کرنا ہے۔ گویا دور پھیلے ہوئے افق کو نگاہوں کی تنگی میں قید کر دیا جائے۔[10]

ثقافت کی اقسام:

جہاں تک ثقافت کے پہلوؤں کا تعلق ہے یہ ہر ثقافت کے مطابق مختلف ہو سکتے ہیں۔ دینی ثقافت کے مقاصد لادینی ثقافت سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی ثقافت کے پہلو غیر اسلامی ثقافت سے مختلف ہوں گے اور دونوں کے مقاصد بھی مختلف ہوں گے۔ تہذیب و تمدن، ثقافت کے دو بڑے پہلو ہیں۔ اسلامی ثقافت میں بھی ان پہلوؤں نے اتنا بھرپور کردار ادا کیا ہے کہ آج تہذیب و ثقافت کو جدا جدا دیکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ ابتدائی عہد کی اسلامی ثقافت یقیناً عرب ثقافت سے ایک حد تک جداگانہ تھی۔ اسلامی ثقافت کی خصوصیات مختصراً ہم دس عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ عظمتِ انسانی، مساوات، اتحاد، رواداری، آزادی، امن، میانہ روی، عدل و انصاف، اخلاق اور

عالمگیریت، اس امر کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی معیار ثقافت نے عربوں کی ثقافت میں تبدیلیاں کیں۔ [11]

اسلامی ثقافت کے اوصاف:

اسلامی ثقافت کی بنیاد اللہ اور اس کی مخلوق انسان کے مابین ایک میثاق پر قائم ہوئی ہے۔ اس کے اصول تمام زمانوں کے لئے مقرر ہیں۔ وہ بلاامتیاز قومی حدود، نسل، رنگ یا زبان کے، تمام انسانیت کے لئے بجا طور پر جائز ہیں۔ یہ وسیع و قومی رائے دہنگی کا حق برائے نام نو مسلموں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ تمام انسانوں کو اس بات کے یکساں مواقع بہم پہنچانے کے لئے ہے کہ وہ اپنے مالک کے آگے سر نیاز جھکائیں اور اسکے مقرر کردہ قوانین کے مطابق اپنی زندگیاں سنواریں۔ اسلامی آفاقیت، غیر واضح اور مبہم نہیں ہے۔ [12] اسلامی ثقافت جہاں بھی رہی ہے یا جس علاقے میں رہی ہے اس کے احکامات دوسری تہذیبوں سے جدا ہی رہے ہیں جس کی وجہ سے ہر دور اور ہر علاقے میں اسلامی ثقافت اپنی انفرادیت مخصوص قسم کی رکھتی ہے۔ آپ برصغیر ہی کی مثال لیجئے جہاں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی اور اسلامی ثقافت کے نقوش رہن سہن، طرز حکومت میں چھوڑے جو کہ فن تعمیر میں اسلامی ثقافت کی جھلک دکھائی دیتی ہے اس کے مقابلے میں ہندو تہذیب تنگ و تاریک مزاج کی عکاسی کرتے نظر آتی ہے۔

اسلامی ثقافت کے بہت سے پہلو ہیں۔ مختلف رخ مختلف حالات میں نمایاں نظر آتے ہیں جس کی شہادت شیخ محمد اکرم نے اپنی تصنیف پاکستان کے ثقافتی ورثہ میں دی ہے آپ لکھتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا سامنا ایک ایسی تہذیب سے ہوا جو بعض پہلوؤں میں اسلام کی ضد تھی، ہندوؤں نے قیاس اور گیان دھیان سے متعلق فنون میں بہت ترقی کی تھی لیکن ذات پات کے نظام میں نیچی ذاتوں کے لئے زندگی، روحانی ہو یا مادی بالکل بے رنگ تھی، گو آبادی کی بڑی اکثریت نیچی ذاتوں ہی کی تھی۔ پیشے کا انتخاب ہو یا علم کا حصول، انسان کی زندگی کا ہر شعبہ ذات کا پابند تھا۔ [13]

تقابلی جائزہ:

جہاں تک اسلامی ثقافت کا دیگر ثقافتوں سے موازنے کا تعلق ہے اسلامی ثقافت وہ کامیاب ثقافت ہے جسے امت مسلمہ کامیابی سے چلا چکی ہے۔ جب کہ دنیا کی تہذیبوں کو ابھی تک یہ اعزاز حاصل نہیں ہو سکا کہ اسے آزمانے کے بعد کامیاب حالت میں نافذ العمل کیا گیا ہو۔ اسلامی نظام وہ نظام ہے جس کو امت مسلمہ آج سے پہلے بھی آزما چکی ہے۔ چنانچہ اس نے نمایاں نتائج برآمد کئے ہیں، فقید المثال کامیابی حاصل کی ہے اور اسے اسلام کی فرمانروائی میں سکون و اطمینان، عدل و انصاف اور استقرار و استحکام نصیب ہوا ہے۔ اس نظام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو افلاس سے نجات دلائی، خوف کی جگہ اس کو امن عطا کیا، ذلت و رسوائی سے نکال کر عزت و وقار کا نور عطا کیا اور امت مسلمہ انتشار و افتراق کی آگ سے نکل کر اس بابرکت نظام پر جمع ہو گئی۔ عداوت اور حسد و کینہ سے پاک ہو کر ایک رشتہ اخوت میں منسلک ہو گئی۔ جو شخص ان حقائق کا انکار کرتا ہے وہ دراصل تاریخ کو جھٹلاتا ہے، واقعات کی نفی کرتا ہے۔ اللہ کی نعمت کتاب اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ [14]

جہاں تک اسلامی ثقافت کے دائرہ عمل کا تعلق ہے اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ کوئی ایسی چیز چاہے وہ دنیاوی ہو یا اخروی اس کے لئے واضح

رہنمائی احادیث وکتب فقہ میں موجود ہے جبکہ اصولی راہنمائی قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔

تہذیب وثقافت کے متعلق اسلام کا رویہ جامع ہے اور مسئلہ کی سنجیدگی کا تقاضا بھی یہ ہے۔اور اس جامعیت کی بنیاد شریعت کی جامعیت پر ہے ۔انسانی زندگی کا ہر پہلو بیرونی عوامل سے متاثر ہوتا ہے۔اور اس کے بقدر اس کا تعلق اسلام سے قائم ہو جاتا ہے۔یہ تعلق واضح بھی ہو سکتا ہے اور مبہم بھی، یہ تعلق سخت بھی ہو سکتا ہے جیسے شریعت کے اوامر اور نواہی جیسے کہ واجب اور حرام۔ یہ تعلق نرم بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مندوب مکروہ اور مباح کا دائرہ۔ بہر کیف اسلامی تعلیمات کے دائرہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ بلا شبہ مباح (جائز) کا دائرہ بہت وسیع ہے، وسعت اسلام سے بے تعلقی کی علامت نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ یہ سخت احکام کے دائرہ کے باہر ہیں۔ جو سختی سے نافذ کئے جاتے ہیں جیسے واجب اور حرام یا جو اخلاقی قوت کے ساتھ نافذ کئے جاتے ہیں جیسے مندوب اور مکروہ۔اس کے باہر ثقافت اور طرز زندگی کا علاقہ ہے جو اسلام کے نزدیک اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ سخت احکام والا حصہ۔ فی الحقیقت سخت احکام کا نفاذ عوام کی مناسب تربیت پر منحصر ہے جو اس کے لئے بطور مقدمہ کار ہے۔اس کے بغیر اس کا نفاذ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی حکم قابل نفاذ نہیں ہو سکتا جب تک عوام کو اس کے لئے تربیت نہ دی جائے اور جب تک اس کے اندر اطمینان نہ پیدا کر دیا جائے۔[15]

اسلامی ثقافت کا تاریخی پس منظر:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا کو بالعموم اور یورپ کو بالخصوص سائنسی معلومات سے متعارف کرانے والے مسلمان سائنسدان ہی تھے خصوصاً عباسی دور خلافت میں علمی خزانے کو عربی اور دیگر زبانوں میں تراجم کر کے قابل استفادہ بنایا جس کے بعد یورپ والوں نے علم کی شمع کو پھیلایا جس کی وجہ سے انھوں نے آکسفورڈ اور ہاورڈ جیسی اعلیٰ سطح کی یونیورسٹیاں قائم کیں جنہوں نے سائنسی ایجادات کے لئے کئی موجد تخلیق کئے۔

جدید دنیا کی سب سے بڑی خدمت جو عربی تہذیب وثقافت نے کی ہے وہ سائنس ہے، گو اس کے ثمرات بہت آگے چل کر ظاہر ہوئے۔ یہ عفریت اپنی پوری شان وشوکت اور قوت سے نمودار ہوا تو اس وقت جب اسلامی اندلس تاریکی کے پردوں میں چھپ چکا تھا لیکن یہ صرف سائنس ہی نہیں جس سے یورپ کے اندر زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے اور بھی متعدد اور گونا گوں اثرات ہیں جن سے یورپ میں پہلے پہل زندگی نے آب وتاب حاصل کی۔[16]

اسلامی ثقافت کا زوال:

پانچویں صدی سے لے کر تقریباً پندرھویں صدی کے اختتام تک اسلامی تہذیب وتمدن کو عروج رہا۔ پھر سولھویں صدی سے آہستہ آہستہ زوال ہونا شروع ہو گیا جس کی وجہ سے مغربی تہذیب نے علم کی دوڑ میں قدم رکھا جس نے قدیم ذرائع کی بجائے جدید وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی برتری دنیا پر ثابت کی۔ تقریباً سولھویں، سترہویں صدی میں مسلم تہذیب کے اندر زوال کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔اسے مختلف الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی تہذیب دنیا کی تاریخ کے سٹیج پر نمودار ہوئی۔ یہ قوت کے نئے ذرائع اور وسائل سے

لیس تھی۔اس نے مسلم تہذیب پر غلبہ حاصل کرنا شروع کر دیا۔جمود وزوال جلد ہی مسلمانوں کی علمی زندگی پر بھی طاری ہو گیااور دینی اور عقلی علوم کے شعبوں میں مسلمان تخلیقی صلاحیت، جدت اور اختراح کے لحاظ سے کمزور ہو گئے اور نامعلوم سمت کے تعاقب اور تجسس کے لئے جس صبر و تحمل،استقلال اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے محروم ہو گئے۔[17]

تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا میں جس قوم نے بھی اپنی قوم کو علم و سائنس کی دولت سے لیس کیا وہ قوم نہ صرف اپنی قوم کے معاشی و معاشرتی وسائل کو بھی جلد حاصل کر سکتی ہے اور مسائل کا حل بھی جلد ڈھونڈ لیتی ہے۔ موجودہ دور میں یورپی اقوام کی برتری واضح مثال ہے۔ اس دنیا میں وہی تہذیب دوسروں پر غلبہ پاتی ہے جس کے پیچھے علم کی طاقت موجود ہو۔ایسا بھی ہوا ہے کہ فاتح قوم نے مفتوح قوم کی تہذیب کو قبول کر لیا۔اس کی ایک مثال منگول حکمرانوں کی ہے۔ ہلاکو خان کی سرکردگی میں منگولوں نے چین سے نکل کر ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا لیکن بہت جلد تاریخ نے ہمیں یہ منظر دکھایا کہ فاتحین نے مفتوحین کا مذہب اور ان کی تہذیب قبول کر لی۔

آج مغربی تہذیب کی برتری کی اصل وجہ علمی میدان میں اس کی برتری ہے گویا اگر کسی تہذیب کے علم بردار یہ چاہتے ہوں کہ دنیا میں ان کی تہذیب کو قبول عام حاصل ہو جائے،لوگ اپنے اندر کے جذبے سے ان کی تہذیبی اقدار کو مان لیں اور ان کی تہذیب کا بول بالا ہو جائے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو علم کے اسلحے سے مسلح کیا جائے اور دوسروں سے اس میدان میں بڑھ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے جائیں۔[18]

ثقافت کی تشریح میں ذرائع ابلاغ کا کردار:

اس میں شک کی بات نہیں ہے کہ موجودہ دور پراپیگنڈہ کا دور ہے جس کے لئے طاقتور میڈیا کا ہونا نہایت ضروری ہے۔اب کسی بھی قوم یا ملک کی خامیاں اور خوبیاں دوسری قوم یا ملک کے باشندوں سے پوشیدہ نہیں ہیں کیوں کہ الیکٹرانک میڈیا مشرق میں ہونے والے واقعات سے نہ صرف مشرق کو بلکہ اسی وقت مغرب کو بھی آگاہ کر رہا ہوتا ہے۔اسی لئے ذرائع ابلاغ کو فروغ دینا اور تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ضروری ہے۔

عہد حاضر کو ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا دور کہا جا سکتا ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کیوں کہ ان ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا کو سمیٹ کر یا آپس میں مربوط کر کے ایک گاؤں بنا دیا ہے جہاں ہر گھرانہ اور ہر گھرانے کا ہر فرد دوسرے گھرانوں اور ان کے افراد کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے اور جو کچھ نہیں جانتا، اسے جاننے کا ہر وقت خواہش مند رہتا ہے۔ان ذرائع ابلاغ میں الیکٹرانک میڈیا (Electronic Media) یعنی ریڈیو، ٹیلی ویژن، نشریاتی سیارے یا سیٹلائٹ، کمپیوٹر اور ان کے ہم قبیل ذرائع اور ان کے انصار و اعوان شامل ہیں۔[19]

دور جدید میں جب کہ سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا اپنے اثرات اور غیر ملکی تہذیبوں کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے اس دور میں اسلامی ثقافت کے نمایاں پہلوؤں کو بھی اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلامی ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی مذمت کے لئے مجموعی اور خصوصی مختلف اسلامی دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی تیاری و تدوین کے لئے ایک خاکہ اور منصوبہ تیار کیا جائے جو عالمی عصری انسائیکلوپیڈیا کی سطح اور معیار پر پورے اترتے ہوں۔[20]

اسلامی ثقافت کا مقصد تمام انسانیت کی فلاح بالعموم ہے اور بالخصوص امت مسلمہ کے درمیان معاشی معاشرتی ثقافتوں کو کم سے کم کرنا ہے اور اسلامی ثقافت کا موضوع اسلامی الہامی کتاب کی طرح بنی نوع انسان ہی ہے۔

اسلامی ثقافت کا مطلوب و مقصود انسانیت ہے اور اس کا مطمع نظر اور پیغام ساری دنیا کے لئے ہے۔ یہ تمام انسانوں کو ایک ہی پیمانے سے ناپتی ہے جس میں قومیت، نسل پرستی، جنس یا رنگ میں سے کوئی چیز فتور پیدا نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ یہ رجحان قرآن کریم کا پیدا کردہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ سب لوگ، مرد و عورت نفس واحدہ سے پیدا کئے گئے۔ اسلامی ثقافت میں بنی نوع انسان دین کے رشتے سے باہم مربوط ہیں۔ اسی سے انسان عزت پاتا یا ذلیل ہوتا ہے۔[21]

ثقافتی تبدیلی اور اسلامی معاشرہ:

وقت کے ساتھ تمدن و ثقافت بھی وسیع ہوتی جاتی ہے لیکن ایک طرف دائرہ کار وسیع ہوتا ہے تو ساتھ ساتھ مزید مراحل پیچیدہ بھی ہوتے جاتے ہیں اور مباحث میں بھی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تمدنی تبدیلیوں کی وجہ سے علم میں وسعت آتی ہے۔ انداز و اطوار میں تنوع بڑھتا جاتا ہے۔ تعلقات کے دائروں کی وسعت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اور ان دائروں کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے یعنی دوسرے لفظوں میں تمدن کی پیچیدگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس روز افزوں وسعت کو دو نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) علم میں اضافہ (۲) معاشرتی اداروں کی تعداد میں اضافہ

انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اس کے مختلف النوع اثرات کو سمجھ لینے سے ہی تعلیم کے مسئلے کا ادراک حاصل کر لینے میں مدد مل سکتی ہے۔[22]

جہاں تک سرکاری مدارس اور قومی مدارس کا تعلق ہے یہ بھی اسلامی تہذیبی زندگی سے بتدریج عمل سب سے پہلے قائم کئے گئے جس کی بنیاد سب سے پہلے گھروں میں قائم ہونے والے علم کے ادارے یا سکول تھے جن کے متعلمین نے بعد میں حکومتی سطح پر تعلیمی اداروں کی داغ بیل ڈالی۔

اسلامی تہذیبی زندگی کے میدان میں دار العلم ظاہر ہوئے۔ انہوں نے راہنمائی کا عمل سرانجام دیا اور بالآخر یکے بعد دیگرے اپنے انجام کو پہنچے۔ اس کے بعد اسلامی معاشرہ میں ایک دوسرا تعلیمی طریق کار سامنے آیا۔ اس نے بھی بہ تدریج عملی صورت اختیار کی، ترقی کی اور زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی صدیوں میں اسے اسلام میں دانشگاہی تعلیم کے پروگراموں میں سرفہرست ہونے کا مقام حاصل ہوا۔ یہ طریق کار قومی مدارس کی تاسیس اور بعد ازاں سرکاری مدارس کا قیام تھا۔[23]

تاہم دنیا میں مہذب معاشرے اور غیر مہذب معاشرے تقریباً ہر ملک میں پائے جاتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ جس معاشرہ میں تہذیب یافتہ لوگوں کی تعداد بنسبت غیر تہذیب یافتہ لوگوں کے واضح طور پر زیادہ ہو تو اسے مہذب معاشرہ کہا جائے گا۔ اس کے برعکس غیر مہذب معاشرہ میں غیر تہذیب یافتہ لوگوں کی تعداد واضح طور پر مہذب لوگوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں اسے غیر مہذب معاشرہ کہا جائے گا

جیسا کہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق بھی رقم طراز ہیں۔

مہذب معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس میں افراد کی خاصی تعداد تعلیم یافتہ، بااخلاق اور باہنر ہو۔ ان میں معلم، کچھ فلسفی، کچھ علوم طبیعی اور کچھ فنون لطیفہ کے ماہر ہوں۔ کوئی معاشرہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو اس میں کچھ لوگ اَن پڑھ بھی ہوتے ہیں لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ پورے سماج پہ اثرانداز نہیں ہو سکتے۔ دوسری طرف ایک گنوار معاشرہ میں چند افراد مہذب بھی ہوتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے سارے سماج کو مہذب نہیں کہہ سکتے۔[24]

ہر ملک و معاشرہ کی ثقافت محض حالیہ زمانے یا وقت سے وجود میں نہیں آتی بلکہ فطری طور پر سلف اور خلف کے باہمی تعلق کی وجہ سے زمانہ حال میں وجود پذیر ہوتی ہے اس لئے ماضی و مستقبل دونوں قسم کے زمانے بھی ثقافت کے لئے اہم ہیں۔

ہماری ثقافت، عقل اور نقل کے درمیان توازن پر قائم ہے۔ وہ ماضی کو دیکھتی ہے اور مستقبل میں بھی جھانکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یاداشت ودیعت کی ہے جس میں ماضی کی چیزیں محفوظ رہتی ہیں اور اسے تخیل سے بھی نوازا ہے جس کے ذریعہ وہ مستقبل میں دیکھتا ہے۔ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ زبان میں بھی فعل ماضی ہے اور فعل مضارع بھی اور مضارع میں حال اور مستقبل دونوں آتے ہیں۔ مستقبل کی تخصیص کے لئے، س اور سوف، کی علامتیں مقرر کی گئی ہیں۔[25]

آنے والی نسلوں کو سلف صالحین کے کارناموں سے آگاہی کرنے سے ہی شعبہ تعلیم اہم کار سازی اور کردار سازی کا حامل ہوتا ہے لیکن اگر شعبی تعلیم اس ثقافت کے متضاد مقاصد کی حامل ہو تو یقیناً وہ اس تہذیب و ثقافت کو روشناس کرانے کے بجائے متعلمین کی متعلقہ ثقافت کے بارے میں مثبت ذہن سازی کی بجائے منفی ذہن سازی کرتا ہے۔

تعلیم کا مقصد معاشرے کی تہذیب و ثقافت کی ترسیل متعین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نئی نسل کے افراد کو معاشرے کی مثالی تہذیب و ثقافت سے اس انداز میں روشناس کروایا جائے کہ وہ اس کو اپنی تہذیب و ثقافت سمجھیں، اس کو پسند کریں، اس کو اپنائیں، اس کو اپنائے رکھنے میں فخر محسوس کریں، اس کی بنیادوں کا فہم حاصل کریں اور اس کی خامیوں کو دور کر کے اس کی ترقی میں اپنا پرجوش کردار ادا کر سکیں۔[26]

جہاں تک مسلم ثقافت اور غیر مسلم ثقافت کا تعلق ہے یہ بعض مسلم ممالک میں پائی جاتی ہیں اور بعض میں محض مسلم ثقافت ہی ہے اور بعض نام کے تو مسلم ممالک ہیں لیکن ان میں غیر مسلم ثقافت کا غلبہ ہے۔ جیسے برصغیر پاک و ہند میں مسلم ثقافت ہندو ثقافت اور برطانوی حکومت کے ماتحت رہی ہے اسی لئے مسلم ثقافت حصول پاکستان کے بعد بھی خالص مسلم ثقافت نہیں ہے کیوں کہ ابھی تک کئی رسوم و اقدار ایسی موجود ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

موجودہ پاکستانی ثقافت جو در حقیقت وہی ثقافت ہے جسے متحدہ برصغیر پاک و بھارت کی مسلم ثقافت کہا جاتا تھا۔ دو بنیادی عوامل کے تعامل سے وجود میں آئی ہے۔ ایک اسلام اور دوسرا مغربی ثقافت۔ تاہم برصغیر میں یہ دونوں عوامل اپنی خالص حالت میں موجود نہیں رہے اور ان کا باہمی تعامل بھی برابری کی سطح پر نہیں ہوا۔ اس لئے موجودہ پاکستانی ثقافت کو سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخ کی روشنی میں ماضی کے ادوار کا جائزہ

لیناپڑے گا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہر ثقافت کی بنیاد کچھ تہذیبی اقدار پر رکھی جاتی ہے اس لئے بسا اوقات تہذیب اور ثقافت کو مترادف اصطلاحات کے طور پر بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔[27]

ہر تہذیب وثقافت کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مقاصد کا مختلف ہونا بھی فطری عمل ہے۔ لیکن مغلوب قوموں کا غالب قوموں کی نقل کرنا بھی فطری عمل ہے لیکن اس صورت میں ایسی چیزیں جو کسی مخالف ثقافت کے لئے فائدہ مند ہوں ان کو تو اختیار کرنا مہذب بنانے میں معاون ہو سکتا ہے لیکن مخالف ثقافت و تہذیب کی منفی چیزوں کو اختیار نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان سے بچنا ہی ضروری ہوتا ہے۔ موجودہ تہذیب و تمدن کے مفاسد بالکل واضح ہیں اور ہر دانشمند انسان کو ان کی ہیبت ناکیوں کی نسبت اسی طرح یقین ہے جس طرح عین نصف النہار کے وقت سورج کی تیز وتابناک شعاعوں کا لیکن ایسی حقیقت شناس نگاہیں نہایت کمیاب ہیں جو ظاہری اور سطحی مفاسد سے گزر کر اصل سر چشمہ فساد کو پا سکیں۔ یہ کام صرف اور صرف نگاہ جہاں بین کر سکتی ہے لیکن نور نبوت اور پیغمبرانہ بصیرت کے سوا ہمہ بینی کا یہ جوہر ملتا ہی کہاں ہے۔[28]

موجودہ دور ابلاغ عامہ ایک طاقت ور شعبہ سمجھا جارہا ہے کیوں کہ اس کے ذریعے سامعین اور ناظرین کی اچھی طرح ذہن سازی بھی کی جاتی ہے اور بعض اوقات کسی معاشرہ کی ثقافت کو ایسے انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو معیوب لگے اور اس کے حاملین بھی بجائے فخر کرنے کے اپنی ہی اقدار کے متعلق متشکک رویہ اپنائیں۔ یہ چیز بھی درست نہیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ ثقافت کے ان علم برداروں کو ہندوستان اور روس جیسے مختلف النسل، مختلف المذاہب ملکوں میں تو ثقافتی یک جہتی نظر آتی ہے مگر پاکستان میں مشترکہ ثقافت کے عوامل مصنوعی دکھائی دیتے ہیں یا روس یا دوسرے اشتراکی ملکوں میں جو ثقافتی اکائی پیدا ہوئی ہے یا ہو رہی ہے اس کی پشت پر حکومت کی فوجی طاقت اور ابلاغِ عامہ کے ذریعے لوگوں کی ذہنی تطہیر(Brain washing) کا مسلسل عمل ہے۔[29]

اسلامی ممالک کو یورپی ممالک کے برعکس اپنے ذرائع ابلاغ کو اسلامی اصولوں اور اسلامی اقدار کے تحت فروغ دینا ضروری ہے لیکن اس معاملہ میں افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ اور غیر اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ کو دیکھ کر بعض پروگراموں اور اشتہار بازی میں فرق کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ میں خود اس طرح کا تضاد نہ ہونا چاہئے کہ تلاوت قرآن بھی ہو اور رقص و موسیقی بھی۔ اسلامی احکامات بتائے بھی جائیں اور ان کی کھلم کھلا خلاف ورزی بھی کی جائے۔ اس سے ٹوٹی شخصیتیں(Split Personalities) تشکیل پاتی ہیں اور کوئی مضبوط کردار تشکیل نہیں پاتا اور اگر اس کے ساتھ ہی عملاً یہ ہو کہ نجی اداروں میں حکومت کا جہاں تک کنٹرول ہے وہ بھی درج بالا اصولوں کے مطابق استعمال نہ ہو بلکہ اس کے خلاف ہی استعمال ہو اور نجی ادارے بھی آزاد ہوں کہ چاہیں تو اسلامی نظریہ کے خلاف سر گرم رہیں۔ تو سب کچھ مل کر گورکھ دھندا تو بن سکتا ہے، اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔[30]

اسی لئے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک کو اپنے ذرائع ابلاغ کو اسلامی اصولوں کے تحت ڈھالنا ضروری ہے اور اسکے علاوہ اپنے باشندوں کے لئے ایسے نظام تعلیم کو نافذ کرنا ہو گا جس میں پیش کردہ نصاب بھی مسلم مشاہیر کے کارناموں کو روشناس کروائے اور مسلم اقدار کو فروغ دے۔ اس کے لئے ہمیں بیرونی امداد سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا تاکہ اپنی پالیسیاں ہی نافذ العمل کی جاسکیں۔

اسلامی معاشرہ کے لئے جو نظام تعلیم و تربیت وضع ہو گا اس میں افراد معاشرہ تیار کرنے کے لئے درسگاہوں اور جامعات کا کردار بھی متعین ہے۔اس کردار کو اجمال و جامعیت کے ساتھ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن درسگاہوں یا جامعات کے کردار کی بنیادی باتوں سے قبل مختصر تمہید کے طور پر اسلامی نظام وتربیت کے حقیقی مقصد کی طرف اشارہ مناسب ہو گا۔[31]

اسلامی معاشرہ کے افراد کو کارآمد محب وطن شہری بنانا ثانوی حیثیت رکھتا ہے اس سے پہلے انہیں سچا مسلمان بنانا ہے تاکہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھیں، ناجائز منافع خوری اور فضول خرچی جیسے کاموں کی بجائے مخلص طرز عمل اپنائیں جس سے قوموں کو عروج حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت اور عصر حاضر کی بحث کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ ثقافت بھی وقت کے ساتھ ساتھ ہجرت کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔اس کی کوئی نہ تو مستقل سرحد ہے نہ ہی کوئی علاقہ جیسے جیسے انسان، افراد دوسرے معاشروں میں قیام کرتے ہیں وہاں وہ اپنی تہذیب اور کلچر کو فروغ دیتے ہیں اس طرز کے بعد کثیر الاقوامی سماج میں بیک وقت مختلف ثقافتیں فروغ پاتی ہیں۔ فی زمانہ آپ یورپ کے سماج کو دیکھ لیں تو اس میں آپ کو اسلامی، غیر اسلامی، مشرقی، ایشیائی، افریقی اور اس طرز کی کئی ثقافتیں ملیں گی۔ لیکن بام عروج اسی کلچر اور ثقافت کو حاصل ہوتا ہے جس کی بنیاد آفاقی ہو جو رہنما اصول رکھتی ہو اور ہمہ قسم کے تعصب سے پاک ہو ہمیں یہ کہنے میں کوئی باق نہیں کہ اسلامی تہذیب فی زمانہ زیادہ موثر، معتدل تہذیب اور ثقافت ہے کیونکہ اس کے رہنما اصول کے ماخذ قرآن وسنہ ہیں جب کہ دیگر تہذیبوں کے خالق چند غیر الہامی مذاہب ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ اپنے نظریات تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے۔

سفارشات:

جدید دور کے محققین نے ثقافت کی حدود میں مذہب، آرٹ، معاشرت کو شامل کیا ہے۔ علاوہ ازیں علم و آداب، فنون لطیفہ، صنائع بدائع انداز تمدن اور طرز سیاست کو بھی اہل علم ثقافت کا حصہ قرار دیتے ہیں۔اس کی روشنی میں ہم اسلامی ثقافت کے فروغ کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

1۔اسلامی ثقافت کے فروغ میں سب سے موثر اور کلیدی کردار شعبہ تعلیم ہی کا ہے جو سماج میں علم و آداب، اخلاق، ذہنی ترقی کو روا رکھنے کا اہم ذریعہ ہے لہذا ضروری ہے کہ اسلامی ثقافت کی ترویج بذریعہ تعلیم ہو اور اس کی وساطت سے اس کو نسل نو میں منتقل کیا جائے۔

2۔فنون لطیفہ بھی اسلامی ثقافت کا اہم جزو ہے لہذا ہمارا کلچر، رہن سہن، مذہبی اخلاقی تعلیمات، فنون لطیفہ کی عکاس ہونی چاہیءں۔ فی زمانہ درسی کتب سے ہم اس کو فروغ دے کر اسلامی روایات اور آرٹ کو پروان چڑھا سکتے ہیں جو درخشاں ماضی رکھتا ہے۔

3۔ جہاں تک طرز معاشرت کا تعلق ہے یہ اسلامی ثقافت کی پہچان ہونی چاہیے۔ ہماری بود و باش، رہن سہن، اقدار، روایات میں اس کا مکمل عکس نظر آنا چاہیے اس ضمن میں سادہ ترزندگی، اعلیٰ اخلاق، بااصول اور بہترین کردار کے فروغ کے لیے تمام مقتدر طبقات کو اپنا اپنا حصہ ڈالنا چاہیے سب سے اہم ذمہ داری والدین، اساتذہ، علماء کرام، میڈیا اور ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ وہ ایسا ماحول فراہم کریں کہ اسلامی طرز معاشرت اپنانے میں کوئی دقت محسوس نہ کرے۔

4۔ اس گلوبل ویلج کے عہد میں اسلامی ثقافت کو فروغ دینا اور نسل نو کو اس کے قالب میں ڈھالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بھی اسلامی تہذیب و تمدن پر مشتمل ادب کو فروغ دینا چاہیے ڈرامہ نویسی، بچوں کے کارٹونز کی تخلیق میں اس کو اولیت حاصل ہونی چاہیے۔

5۔ اسلامی ثقافت کے فروغ میں آئمہ کرام، مساجد، علماء کرام کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ عوام میں زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں لہذا خطبات میں اسلامی ثقافت کے فوائد اور غیر اسلامی ثقافت کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ نسل نو کے کردار کی تعمیر کا بہترین فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

حوالہ جات

---

[1] احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد اجمل (2012ء) ثقافت کیا ہے؟ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص 15

[2] مولانا محمد حنیف ندوی (1992ء) اساسیات اسلام، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص 102

[3] شیخ محمد اکرم (مارچ 2001ء) پاکستان کا ثقافتی ورثہ (ترجمہ افتخار احمد شیر وانی) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص 5

[4] ڈاکٹر مظفر حسن (جون 1990ء) تعلیمی عمرانیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص 205

[5] پروفیسر بختیار حسین صدیقی (جولائی 2009ء) مسلمانوں کی تعلیمی فکر کا ارتقاء، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص 115

[6] مولانا محمد حنیف ندوی (1992ء) اساسیات اسلام، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص 103

[7] احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد اجمل (2012ء) ثقافت کیا ہے؟ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص 10

[8] چودھری محمد اسلام صدیق، محمد کامران (2004ء) پاکستان میں تعلیم کے تناظرات، ناشر محمد کامران، محمد شفیق الاسلام، شمس آباد، ملتان، ص 160

[9] سید محمد قاسم محمود (2011ء) اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص 775

[10] محمد اسحاق صفوری (مارچ 1997ء) طہٰ حسین کی فکری اساس، ماہنامہ افکار معلم، لاہور، جلد 10، شمارہ 3، ص 41

[11] عطش درانی (1980ء) اسلامی فکر وثقافت، مکتبہ عالیہ، لاہور، ص 81

[12] پروفیسر عزیز احمد (جون 1997ء) برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ترجمہ (ڈاکٹر جمیل جالبی) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص 303

[13] شیخ محمد اکرم (مارچ 2001ء) پاکستان کا ثقافتی ورثہ (ترجمہ افتخار احمد شیر وانی) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص 17

[14] علامہ یوسف القرضاوی (دسمبر 2011ء) اسلامی نظام (ایک فریضہ۔ ایک ضرورت) (ترجمہ محمد طفیل انصاری) البدر پبلی کیشنز، لاہور، ص 174

[15]ڈاکٹر اسمعیل راجی فاروقی (اپریل 1989ء) علوم جدید کی اسلامی تشکیل (ترجمہ پروفیسر سید محمد سلیم) (عمومی اصول اور خطوط کار) ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ص62

[16](ترجمہ) سید نذیر نیازی (جون 2012ء) تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ (انگریزی خطبات علامہ اقبال) بزم اقبال کلب روڈ، لاہور، ص 197

[17](ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری) یونیورسٹیوں میں اسلامیات کی تعلیم) مدیران مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1987ء) تعلیم اسلامی تناظر میں (6) انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص56

[18]ڈاکٹر محمد فاروق خان (مارچ 2008ء) امت مسلمہ........کامیابی کا راستہ، نیو اتیج پرنٹرز، مردان، ص 241

[19]شکور طاہر (سابق ڈائریکٹر نیوز، پی۔ٹی۔وی۔اسلام آباد) (تعلیم کے فروغ میں الیکٹرانک میڈیا کا کردار) (مرتب شبیر احمد خان میواتی (اگست 2007ء) دینی مدارس اور عصر حاضر، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص31تا32

[20]علامہ یوسف القرضاوی (دسمبر 2011ء) اسلامی نظام (ایک فریضہ۔ایک ضرورت) (ترجمہ محمد طفیل انصاری) البدر پبلی کیشنز، لاہور، ص29

[21]ڈاکٹر عبدالکریم عثمان (2012ء) اسلامی ثقافت کے سنگ میل (ترجمہ و تلخیص۔راجہ۔ف۔م۔ماجد) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص85

[22]ڈاکٹر عبدالرشید ارشد (جولائی 2010ء) تعلیم کی ضرورت اشاعت الحکمت، لاہور ص 57

[23]پروفیسر عبدالرحیم غنیمہ (اپریل 1994ء) اسلامی جامعات (تاریخ، نظام، اثرات) مترجم محمد ظہیر الدین بھٹی، اسلامی پبلیکیشنز، لاہور، ص138

[24]ڈاکٹر غلام جیلانی برق (مارچ 2014ء) ہماری عظیم تہذیب، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص17

[25]علامہ یوسف القرضاوی (دسمبر 2011ء) اسلامی نظام (ایک فریضہ۔ایک ضرورت) (ترجمہ محمد طفیل انصاری) البدر پبلی کیشنز، لاہور، ص77

[26]ڈاکٹر عبدالرشید ارشد (اگست 1995ء) پاکستان میں تعلیم کا ارتقاء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ص18

[27]ڈاکٹر عبدالرشید ارشد (1985ء) ہمارا نظام تعلیم، (نظریہ و عمل) کاروانِ ادب، ملتان صدر، ص149تا150

[28]ڈاکٹر محمد یحییٰ (سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل) مرتب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (2009ء) مقالات سیرت نبوی ﷺ۔ (پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس، منعقدہ 13-11 فروری 2000ء) سیرت چیئر دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ص 639

[29](ڈاکٹر سعید اللہ قاضی) مرتب پروفیسر مسلم سجاد (1990ء) پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل؟ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص 72

[30]مسلم سجاد (1996ء) اسلامی ریاست میں نظام تعلیم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص76

[31]ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (مطلوب اسلامی معاشرہ اور جامعات) مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1995ء) پاکستان میں جامعات کا کردار انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص26تا27

References

1. Ahmed Nadeem Qasmi, Dr. Khalifa Abdul Hakim, Dr. Muhammad Ajmal (2012) What is Culture? Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 15
2. Moulana Muhammad Hanif Nadwi (1992), Asasiyat-e-Islam, Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 102
3. Sheikh Muhammad Akram (March 2001) Cultural Heritage of Pakistan (translated by Iftikhar Ahmad Sherwani), Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 5
4. Dr. Muzaffar Hasan (June 1990), Educational Sociology, Ruling National Language, Islamabad, p. 205
5. Professor Bakhtiar Hussain Siddiqui (July 2009), Evolution of Muslim Educational Thought,

Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 115
6. Moulana Muhammad Hanif Nadwi (1992), Asiyat-e-Islam, Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 103
7. Ahmed Nadeem Qasmi, Dr. Khalifa Abdul Hakim, Dr. Muhammad Ajmal (2012) What is Culture? Institute of Culture, Lahore, p. 10
8. Ch. Muhammad Islam Siddiq, Muhammad Kamran (2004) Perspectives on Education in Pakistan, Publisher Muhammad Kamran, Muhammad Shafiqul Islam, Shamsabad, Multan, p. 160
9. Sayyid Muhammad Qasim Mahmood (2011) Revival Movements of Islam and the World of Islam, Al-Faisal Publishers and Traders Books, Lahore, p. 775
10. Muhammad Ishaq Safoori (March 1997), The Intellectual Foundations of Taha Hussain, Monthly Afkar-e-Maalim, Lahore, Vol. 10, Issue 3, p. 41
11. Atash Durrani (1980), Islamic Thought and Culture, Maktaba Alia, Lahore, p. 81
12. Prof. Aziz Ahmed (June 1997), Islamic Modernity in the Subcontinent, Translation (Dr. Jamil Jalibi), Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 303
13. Sheikh Muhammad Akram (March 2001) Cultural Heritage of Pakistan (translated by Iftikhar Ahmad Sherwani), Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 17
14. Allama Yusuf al-Qaradawi (December 2011) (Translated by Muhammad Tufail Ansari) Al-Badr Publications, Lahore, p. 174
15. Dr. Ismail Raji Farooqi (April 1989) Islamic Formation of Modern Sciences (Translated by Prof. Syed Muhammad Saleem) (General Principles and Letters) Institute of Educational Research Organization Teachers Pakistan, Lahore, p. 62
16. (Translation) Syed Nazir Niazi (June 2012) Formation of Modern Theology of Islam (English Sermons Allama Iqbal) Bazm Iqbal Club Road, Lahore, p. 197
17. (Dr. Zafar Ishaq Ansari) Teaching Islamic Studies in Universities) Editors Muslim Sajjad, Saleem Mansoor Khalid (1987) Education in Islamic Context (6) Institute of Policy Studies, Islamabad, p. 56
18. Dr. Muhammad Farooq Khan (March 2008) The Road to Success, New Age Printers, Mardan, p. 241
19. Shakoor Tahir (Former Director News, PTV, Islamabad) (Role of electronic media in the promotion of education) (Compiled by Shabbir Ahmed Khan Mewati (August 2007), Religious Seminaries and Contemporary Times, Al-Sharia Academy Gujranwala, pp. 31-32
20. Allama Yusuf al-Qaradawi (December 2011) (Translated by Muhammad Tufail Ansari) Al-Badr Publications, Lahore, p. 29
21. Dr. Abdul Karim Usman (2012) Milestones in Islamic Culture Raja F.M. Majid, Institute of Islamic Culture, Lahore, p. 85
22. Dr. Abdul Rashid Arshad (July 2010) Need for Education, Lahore, p. 57
23. Prof. Abdul Rahim Ghanima (April 1994) Islamic Universities (History, System, Influences) By Muhammad Zaheeruddin Bhatti, Islamic Publications, Lahore, p. 138
24. Dr. Ghulam Jilani Barq (March 2014), Our Great Civilization, Al-Faisal Publishers and Traders Books, Lahore, p. 17
25. Allama Yusuf al-Qaradawi (December 2011) (Translated by Muhammad Tufail Ansari) Al-Badr Publications, Lahore, p. 77
26. Dr. Abdul Rashid Arshad (August 1995), Evolution of Education in Pakistan, Institute of Educational Research, Lahore, p. 18
27. Dr. Abdul Rashid Arshad (1985) Our System of Education, (Theory and Practice) Caravan Literature, Multan Sadr, pp. 149-150
28. Dr. Muhammad Yahya (Sirat-un-Nabi and Contemporary Issues) authored by Prof. Dr. Abdul Rauf Zafar (2009). (1st Three-Day International Sirat Conference, Held 13-11 February 2000) Sirat Chair of Islamia University Bahawalpur, p. 639

29. Prof. Muslim Sajjad (1990) Islamic formation of education system in Pakistan? Institute of Policy Studies, Islamabad, p. 72
30. Muslim Sajjad (1996) System of Education in the Islamic State, Institute of Policy Studies, Islamabad, p. 76
31. Dr. Zahoor Ahmad Azhar (Wanted Islamic Society and Universities), Muslim Sajjad, Saleem Mansoor Khalid (1995) Role of Universities in Pakistan Institute of Policy Studies, Islamabad, pp. 26-27